قسط (۲) سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو برہان فروری [illegible]

عربِ جاہلیت کے اخلاقی تصورات

جناب ڈاکٹر محمد عبد الحق صاحب انصاری
ریڈر شعبۂ عربی، فارسی اور اسلامیات، وشوابھارتی شانتی نکیتن، مغربی بنگال

ایک عرب کا قول ہے، ہم اسی کو اپنا سردار بناتے جو اپنے کجاوہ پر ہمیں بٹھاتا ہے، اپنی عزت ہم لوگوں کے لیے بچھا دیتا ہے اور اپنے مال میں ہمیں تصرف کرنے دیتا ہے[1] ذوالاصبع عدوانی نے اپنے بیٹے کو جو وصیت کی ہے وہ سیادت کے اوصاف پر اچھی روشنی ڈالتی ہے۔ کہا:

" اپنی قوم کے ساتھ نرمی اختیار کروگے تو وہ تمہیں محبوب رکھے گی تواضع برتو گے تو تمہاری عزت کرے گی۔ خوش اخلاقی سے پیش آؤ گے تو تمہیں سردار بنائے گی۔ چھوٹوں کی عزت کا خیال ایسا ہی رکھو گے جیسا کہ بڑوں کی عزت کا تو بڑے تمہاری عزت کریں گے بچوں پر شفقت کرو اور ان پر مال خرچ کرو، عورتوں کی عصمت کی حفاظت کرو، پڑوس کا احترام کرو، جو کوئی تم سے مدد کا طالب ہو اس کی مدد کرو، مہمان کی ضیافت کرو، مصیبت زدہ کی آواز پر لبیک کہو جان لو کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، اس دن سے پہلے موت کبھی نہیں آئے گی کسی سے سوال کرنے سے احتراز کرو۔ اگر یہ ساری باتیں تم میں پیدا ہو جائیں تو تمہاری سیادت مکمل ہو جائے گی"[2]

جاحظ نے لکھا ہے کہ اہل عرب کسی کو اس وقت تک رئیسِ قوم نہیں بناتے تھے جب تک کہ اس میں چھ صفتیں موجود نہ ہوں۔ سخاوت، قوت، صبر، حلم، تواضع اور اظہارِ خیال پر قدرت[3] عمر الدسوقی نے سیادت کی صفات کا استقصاء ان الفاظ میں کیا ہے:

" عربِ جاہلی میں سیادت کا مدار دولت و ثروت پر نہ تھی۔ اس کی عمارت فضائلِ اخلاق پر قائم تھی جیسے

[1] حیوان الجاحظ ج ۳، ص ۱۲۳ [2] الفتوۃ عند العرب ص [illegible] [3] بلوغ الارب ج ۲، ص [illegible]

افرادِ قبیلہ کی محبت۔ ان کے مصالح کا خیال، دکھیوں کی امداد، کمزوروں کی حمایت، قیدیوں کی رہائی، فقیروں کی حاجت روائی۔ جاہلوں کے ساتھ عفو، مظلوموں کی طرف سے انتقام اور قاتل کی طرف سے دیت کی ادائیگی۔ سیادت کے معنی جبری تسلط اور غلبہ کے نہیں ہوتے۔ نرمی اور حسنِ اخلاق سے دلوں کو موہ لینا عربی سیادت کی اصل حقیقت ہے۔[1]

سیادت کے ساتھ جو برائیاں میل نہیں کھاتیں وہ یہ ہیں: بخل، بزدلی، ظلم، فجور، سفاہت، نوعمری، قلت تعداد اور فقر۔[2]

۴۔ عیوب (۱) جنگجوئی

محاسن کے ساتھ عربوں میں مختلف عیوب بھی تھے۔ سب سے زیادہ مہلک برائی ان کی باہمی جنگجوئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنا۔ ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا ان کا عام دستور تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتا۔ بچہ بچہ اپنے باپ بھائی اور عزیز کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبے سے سرشار رہتا اور بڑے ہوتے ہی ایک کے بجائے دس کو قتل کر کے ہی چین لیتا تھا۔ انتقام در انتقام کا سلسلہ مسلسل چلتا رہتا تھا یہاں تک کہ خاندان کے خاندان اور قبیلے کے قبیلے ہلاک ہو جاتے۔ ہزاروں مردوں کا خون ہوتا، سیکڑوں عورتوں کی عصمتیں لٹتیں، بے شمار لڑکے اور لڑکیاں غلام اور لونڈیاں بنائی جاتیں۔ اس صورت حال کا نتیجہ تھا کہ عرب میں ایک مستقل خانہ جنگی کا عالم رہتا تھا۔ قرآن مجید نے اسی صورت حال کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

كُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ[3] — تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے

ان جنگوں کے اسباب معاشی بھی تھے اور سماجی و نفسیاتی بھی۔ بدوی قبائل میں افلاس کی وجہ سے غارت گری، رہزنی اور چوری عام تھی۔ تجارتی قافلوں کو لوٹ لینا، مویشیوں کو ہنکا لے جانا، فصلوں کو کاٹ لینا، عام مشغلہ تھا۔ شخصی خودداری، خاندانی احترام، اجتماعی وقار اور قبائلی ناموس و عزت کے کچھ ایسے معیار اور پیمانے بن گئے تھے کہ ایک ہلکی سی ٹھیس ان نازک آبگینوں کو پاش پاش کر دیا کرتی تھی اور پلک جھپکنے میں وسیع [illegible] کی بنا پر شعلہ [illegible] ایک شاعر [illegible] مجلس کی [illegible]

---

۱ الفتوۃ عند العرب ص ۱۰۲ ۲ [illegible] ص ۱۰۵ ۳ آل عمران : ۱۰۳

سباق و بعاث کے ضوابط سے بال برابر تجاوز تابانی روایات کی معمولی سی بے حرمتی قتل و خون کا بازار گرم کردیتی تھی۔

پیہم جنگوں نے انفرادی مزاج اور قومی نفسیات کی تشکیل اس طرح کی تھی کہ عام عرب انفرادی اور جماعتی دونوں حیثیتوں سے صبر و تحمل اور ضبطِ نفس کی صفات سے یکسر خالی ہو چکا تھا۔ نتائج و عواقب سے بے پروا، وقتی جذبات سے مغلوب اور ہنگامی محرکات کی غلام، صحرا کی اشتعال انگیز گرم آب و ہوا کی پروردہ اور خدائی ہدایت سے محروم یہ قوم اپنے نفس کی بے لگامی کی خود شکار ہو رہی تھی۔ ایک بار جب جنگ شروع ہو جاتی تو چالیس چالیس اور سو سو سال تک چلتی رہتی۔ درازیٔ جنگ کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ افراد کی لڑائی افراد کی لڑائی نہیں ہوتی تھی، خاندانوں اور قبیلوں کی لڑائی تصور کی جاتی تھی۔ کنبے، خاندان اور قبیلے اپنے اپنے فرد کی طرف سے لڑنا اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ ان کو اس سے کوئی بحث نہ ہوتی کہ ان کا فرد حق پر ہے یا ناحق پر، ظالم ہے یا مظلوم، اس بات کی تحقیق ان کے نزدیک غیر ضروری ہی نہیں معیوب بھی تھی اور ایسا کرنے والے مبغوض، بزدل اور قاطع رحم تصور کیے جاتے تھے۔ یہ جاہلی عصبیت جنگوں کی طوالت اور ہلاکت خیزی کا اصل سبب بھی تھی اور لڑائی جھگڑوں پر افراد کو ہمیشہ آمادہ اور جری بنانے کا ذریعہ بھی۔ جنگوں کی کثرت کا عالم یہ تھا کہ اسلام سے پہلے صرف ۴۰ سال کی مدت میں ۱۳۲ لڑائیاں ہوئی تھیں۔ ابوالفرج اصفہانی نے ایام عرب پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں ۱۷۰۰ لڑائیوں کا تذکرہ کیا ہے[1]۔

عرب یہود اور نصاریٰ میں مذہبی تعصب بھی لڑائیوں، قتل و خونریزی اور لوٹ مار کا سبب تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے ۵۰ سال قبل حمیر کے یہودی بادشاہ ذو نواس نے نجران اور حضرموت کے بیس ہزار سے زائد عیسائیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا یا خندقوں میں آگ روشن کرکے انھیں زندہ جلا دیا تھا[2]۔ اس سے قبل نجران کے عیسائیوں نے حنیان کی قیادت میں بہت سے یہودیوں کو قتل اور ان کے معابد کو

---

[1] بحوالہ بلوغ الارب: ۲: ۶۸۔

[2] REV. JOHM STEWART, NESTORIAN MISSIONARY ENTERPRISE, P. 64

مسمار اور ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا تھا۔[1]

(۲-۲) شراب نوشی | عربوں کی دوسری بڑی برائی شراب نوشی تھی۔ ان کی شراب نوشی کا عالم یہ تھا کہ شادی اور عید کی تقریبیں، معاہدہ اور محالفہ کی مجلسیں، قومی مشوروں کی نشستیں، رقص و سرود کی محفلیں، لڑائیاں اور جنگیں، مسافروں اور مہمانوں کی ضیافتیں، دوستوں کی صحبتیں اور نجی ملاقاتیں شراب سے خالی نہیں ہوتی تھیں۔ شہروں اور قصبوں میں، راستوں اور بازاروں میں، گلیوں اور کوچوں میں اور حد یہ ہے کہ عبادت خانوں اور کلیساؤں میں شراب خانے قائم تھے۔ دیہاتوں اور بادیوں کا حال شہروں سے مختلف نہ تھا۔ گھروں میں عورتیں اور بچے ساقی گری کرتے تھے۔

شراب نوشی کے متعدد محرکات تھے۔ سب سے بڑا محرک لطف اندوزی اور لذت کوشی تھی۔ صحرائی زندگی کی بے کیفی کا ازالہ، آلام روزگار سے وقتی نجات اور بے دین و بے مقصد زندگی کے بوجھ سے چھٹکارا شراب نوشی کے محرکات میں داخل تھا۔ شراب حمایت و شجاعت اور جانبازی کا ذریعہ بھی تھی۔

شراب پینے اور پلانے سے ایسا عشق ہو گیا تھا کہ دولت بے تحاشا خرچ کی جاتی تھی۔ مال ختم ہو جاتا تھا تو قرض پر رقم لی جاتی تھی۔ گھر کا سارا سامان، حتیٰ کہ بیوی اور بچے بھی گروی رکھنے سے دریغ نہیں کیا جاتا تھا۔ شراب کا پلانا باعث فخر تھا۔ کنبہ اور قبیلہ کے احباب جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا، رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی۔ پھر شراب کی مستی، کچھ فخر و مسابقت کا جذبہ، کچھ فیاضی اور سخاوت کا مظاہرہ، مختلف محرکات کے زیر اثر ایک مست اٹھتا اور اونٹوں کی کوچیں کاٹ کاٹ کر زمین پر ڈھیر کر دیتا۔ گوشت پکتا، کباب لگتے اور یاران نکتہ داں ہی نہیں ہر کس و ناکس کے لیے صلائے عام ہوتی تھی۔ ایسے مواقع بکثرت آتے رہتے تھے، کبھی ایک فتی کی باری آتی کبھی دوسرے کی۔ اس کار خیر میں سبقت سرمایہ افتخار تھی۔ عربوں کے قصائد ان محفلوں کے تعلی آمیز تذکروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں شرکت سے احتراز کرنا اپنی بخالت اور دنائت کا اعلان کرتا تھا۔ اس لیے قبیلہ کا کوئی رئیس ان سے اجتناب

---

[1] REV. JOHN STEWART, NESTORIAN MISSIONARY ENTERPRISE, ۲۰۰ ص

کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

عربی ضمیر بالعموم شراب پینے اور پلانے میں ادنیٰ سی قباحت بھی محسوس نہیں کرتا تھا شراب نوشی نہ مذہباً گناہ تھی اور نہ اخلاقاً بری، اگر کسی موقع پر شراب سے احتراز کرتے تھے تو اس لیے کہ شراب کا عارضی ترک ان کے عزم و ارادہ کے لیے مہمیز کا کام دے گا۔ امرؤ القیس کا شعر ہے۔

حلت لی الخمر وکنت امرءًا عن شربہا فی شغل شاغل

(اب میرے لیے شراب جائز ہو گئی، اس سے قبل ایک اہم کام کی مصروفیت میں چھوٹ گئی تھی)

فالیوم اسقی غیر مستحقب اثماً من اللہ ولا واغل

(آج دوست مجھے شراب پلائیں گے، اس میں نہ خدا کی نافرمانی کا اندیشہ ہوگا، اور نہ بن بلایا مہمان سمجھا جاؤں گا)

امرء القیس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام نہ لے لے گا اس وقت تک شراب نہیں چھوئے گا۔ چنانچہ جب انتقام لے چکا تو کہنے لگا کہ اب شراب جائز ہو گئی، اب پینے پلانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ قباحت اور برائی کجا، شراب تو روح کی پاک غذا اور خیر و برکت کا باعث تھی۔ عرب کا فیاض روزگار اور عربی اخلاق کا بلند ترین نمونہ حاتم طائی اپنی بیوی کو وصیت کرتا ہے کہ اس کی قبر کو شراب سے تر رکھا جائے[2]

جب شراب کا یہ مقام ہو اور شراب نوشی کی ایسی کثرت ہو تو اس کی کشید و تجارت کا کیا عالم ہوگا۔ کیا تعجب ہے کہ تجارت کا لفظ شراب نوشی کا مترادف ہو گیا ہو۔ شراب شہروں اور بادیوں میں تیار ہوتی تھی اور باہر بالخصوص شام سے کثیر مقدار میں درآمد ہوتی تھی۔ شام، فلسطین، عراق اور حیرۃ کے سفر والے عموماً ان کے کلیساؤں میں موسیقی اور شراب کی محفلوں میں شرکت اور لطف اندوزی کے بکثرت مواقع ملتے تھے

شراب ام الخبائث ہے فسق و فجور، بدکاری و بے حیائی اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جاہلی شعراء

لہ دیوان امرء القیس مع شرح ابی بکر الوزیر مصر ۱۳۰۸ھ صفحہ ۱۳۴ ٹہ الحوفی الحیاۃ الاجتماعیۃ فی الشعر الجاہلی
ٹہ تاریخ امرء القیس المغنیات دار المعارف بمصر ۱۹۴۵ء صفحہ ۲۶

کے قصائد ثبوت ہیں۔ جن میں شراب نوشی، عشق و محبت، بے حیائی اور لذت کوشی کے واقعات کے فخریہ تذکرے موجود ہیں۔ شراب فسق و فجور ہی کی محرک نہیں ہے۔ خاندان، کنبہ اور قبیلہ کے اتحاد کی دشمن اور بغض و عناد اور نفاق کا سرچشمہ ہے اس کے نشہ میں نہ حلال و حرام کی تمیز باقی رہ جاتی ہے اور نہ دوست و دشمن کا فرق۔

(۳) جوا | جوے میں عرب کسی طرح کی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس کی ایک شکل کا تذکرہ فیاضی و سخاوت کے ضمن میں آچکا ہے دوسری صورت گھوڑ دوڑ میں گھوڑوں پر بازی لگانے کی تھی گھوڑ دوڑ کے دن مقابلوں میں جو لوگ شریک نہیں ہوتے تھے انہیں برم[1] کا خطاب ملتا تھا اور اس سے احتراز کو قومی عار خیال کیا جاتا تھا۔ ان بازیوں میں عموماً اونٹ بازی پر رکھے جاتے تھے جو اونٹ بازی میں جیتے جاتے تھے ان سے دولت تو کمائی ہی جاتی تھی۔ ان میں سے چند کو ذبح کرکے عوام کو کھلایا بھی جاتا تھا اور اس طرح عزت بھی کمائی جاتی تھی۔

جوا جس طرح عربوں کی قومی معیشت کو تباہ کرتا تھا اسی طرح ان کی اجتماعی زندگی کی عمارت بھی ڈھاتا تھا جیسے داحس و غبرا کی ۴۰ سالہ جنگ گھوڑ دوڑ کی قمار بازی ہی کا نتیجہ تھی۔

(۴) سود | عرب سود کو تجارت کی ایک جائز شکل سمجھتے تھے اور اس کی معصیت و برائی کے احساس سے بالکل خالی تھے۔ سود کی مختلف شکلیں عربوں میں رائج تھیں۔ مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ پر کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک مدت مقرر کر دیتا تھا اگر وہ مدت گزر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کر لیتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی۔ یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدت کے لیے ایک شرح طے ہو جاتی تھی۔ اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی۔ کبھی راس المال میں اضافہ

---

[1] حماسہ ابو تمام ج ۱، ص ۱۴۴۔

کم فیھم من فتی حلو شمائلہ جم الرماد اذا ما اخمد البرم

کروالیا جاتا تھا یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ دوگنی اور چوگنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا۔ اس طرح اضافہ ہوتے ہوتے مدیون کی کل جائداد مستغرق ہو جاتی تھی۔ یہ معاملہ زیادہ تر غریبوں اور کاشت کاروں کے ساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کاشت کاروں کا تمام طبقہ دولت مندوں کے ہاتھ میں گروی تھا

سودی قرضے تجارتی اغراض کے لیے بھی لیے جاتے تھے اور ذاتی ضروریات کے لیے بھی سودی کاروبار میں یہود پیش پیش تھے، باوجود اس کے کہ تورات میں سود کی ممانعت آئی ہے یہودیوں کا سب سے بڑا کاروبار سود تھا۔ خیبر، مدینہ، یمن کی بستیوں اور جن جن قبیلوں میں یہود تھے، عربوں کی آبادیاں انھیں کی مقروض تھیں۔

(۵) غارت گری، رہزنی اور چوری | عربوں میں غارت گری عام تھی۔ تجارتی قافلوں، مویشیوں کے گلوں، خانہ بدوش قبیلوں اور شہری بستیوں پر چھاپہ مارنا، سامان تجارت، مال و دولت لوٹ لینا اور مویشیوں کو ہنکا لے جانا، عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو قید کر کے غلام اور لونڈیاں بنا لینا آئے دن ہوتا رہتا تھا۔ بعض افراد غارت گری میں مشہور تھے، بعض قبیلوں کا اصل ذریعہ معاش ہی غارت گری تھی جیسے شمالی حجاز میں "طے" کا قبیلہ۔

رہزنی اور چوری بھی عام تھی۔ رہزنی جن لوگوں کا مستقل پیشہ تھی انہیں لصوص کہا جاتا تھا۔ بعض قبیلے رہزنی میں مشہور تھے جیسے اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ کے قبائل۔ چوری میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شریک تھیں، ان میں بھی یہ مرض خاصا عام تھا۔ رہزنوں اور چوروں سے استھانوں کے نذرانے اور حرم کے قیمتی سامان بھی محفوظ نہیں رہتے تھے[1]

(۶) زنا و فواحش | عربوں میں زنا اور فواحش کی کثرت تھی۔ غلاموں اور لونڈیوں میں زنا کی قباحت تقریباً ختم ہو چکی تھی، آزاد مرد لونڈیوں سے تعلقات رکھنے میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے تھے۔ فواحش کے اڈے بکثرت تھے۔ شریف اور آزاد گھروں سے ممتاز کرنے کے لیے فاحشات اپنے گھروں پر جھنڈے

---

[1] سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دار المصنفین اعظم گڑھ، ج ۱، ۲۰۷-۲۱۰

غصب کرتی تھیں[1]۔ ان گھروں پر آمد و رفت پر کوئی معاشرتی پابندی نہ تھی۔ عرب معاشرے میں ایسے بے غیرت افراد کی کمی نہ تھی جو اپنی لونڈیوں سے پیشہ کرواتے تھے اور ان کی کمائی کھاتے تھے[2]۔ عربوں کا رواج تھا کہ چند افراد ایک عورت کے پاس باری باری جاتے اگر اس تعلق کے نتیجہ میں کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتی تو وہ عورت ان سب مردوں کو بلا بھیجتی کسی کی مجال نہ تھی کہ بلانے پر نہ پہنچے ان میں سے جس کسی کے بارے میں وہ یہ کہہ دیتی کہ اولاد اس کی ہے تو وہی اس کا باپ قرار پاتا اور اس کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا اس طرح کی اولاد کا باپ قرار پانا اور کفیل بننا شرم کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی، اور شرم کیسی، بسا اوقات اس امر پر اختلاف ہوتا کہ اولاد کس کی ہے، اور بات اختلاف سے بڑھ کر لڑائی اور جھگڑے تک پہنچ جاتی تھی۔

یہ معاملہ بغیر فاحشات اور لونڈیوں تک محدود نہ تھا آزاد عورتوں کے ساتھ بھی ہوتا تھا۔ آزاد عورتوں کے ساتھ معمولی چیزوں کے عوض عارضی مدت کے لیے نکاح کر لینا اور مدت گزر جانے کے بعد علیحدہ ہو جانا بھی عربوں میں رائج تھا۔ اس کو متعہ کہتے تھے بعض آزاد مرد اپنی بیویوں کو کسی بڑے وجیہ، قوی یا باعزت آدمی کے پاس سونے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے تاکہ اس سے جو اولاد ہو وہ اس کی جیسی خصوصیات وصفات کی حامل ہو۔

ان سب کے باوجود یہ بات صحیح ہے کہ آزاد عورتوں میں زنا معیوب تھی ان کی بڑی تعداد اپنی عفت عصمت کی حفاظت کرنا چاہتی تھی، غیرت مند مردوں اور عورتوں کی تعداد بہت تھی۔ عربوں میں حسب نسب کی حفاظت کا جو تصور تھا وہ عورتوں کی عصمت کی بنیاد پر ہی قائم تھا۔ یہی تحفظ عصمت کا جذبہ تھا جو عورتوں کو شراب نوشی سے باز رکھے ہوئے تھا۔ شراب مردوں ہی میں عام تھی۔ آزاد عورتیں شراب نہیں پیتی تھیں[3]۔

---

[1] الحوفی، المرأة فی الشعر الجاهلی: الطبعة الثانیة صفحہ ۵۰۶ [2] مثال کے طور پر عبداللہ بن جدعان اور عبداللہ بن ابی بن سلول، المرأة فی الشعر الجاهلی: ۵۰۶ [3] الحوفی، الحیاة الاجتماعیة فی الشعر الجاهلی: ۳۰۱ بحوالہ عیون الاخبار لابن قتیبہ، کتاب الاشربہ: ۵۱

مگر صحرائی آزاد زندگی، پیہم نقل و حرکت، عمومی بے پردگی، اختلاط مرد و زن کے متعدد مواقع، جنگوں میں عورتوں کی بے محابا غارت گری اور اغوا کی عمومی فضا میں آزاد عورتوں کی عصمت کی حفاظت بےحد دشوار تھی۔ اگرچہ عورتوں کے ساتھ کھل کر تعلقات قائم کرنے میں پابندیاں اور دشواریاں تھیں لیکن چھپ کر ملاقات رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں تھا۔ عربی اخلاق کی عمارت خدا ترسی اور خیر پرستی کے بجائے عزت و ناموس کے جس ظاہر دارانہ تصور پر قائم تھی اس کے اندر ان متضاد رجحانات کا رونما ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

(۷) مفاخرت و مباہات افتخار و مفاخرت عربوں میں قطعاً معیوب نہ تھی۔ اکابر اور افاضل اپنی شجاعت یا حسن، ابنائے عہد، قوت و شوکت، ایثار و احسان کے کارناموں کا اعلانیہ ذکر کرتے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ ذاتی خوبیوں اور کارناموں کے علاوہ خاندان اور قبیلہ کے محاسن و فضائل بھی فخر و افتخار کے موضوعات تھے۔

شاعری فخر و مفاخرت کا بہترین اور موثر ترین ذریعہ تھی۔ شاعر قبیلہ کی زبان تھا اور اس کے کارناموں کا مشتہر۔ دوسرے درجہ پر خطابت کی اہمیت تھی اور خطیب شاعر کے ساتھ ساتھ قبیلہ کے انفرادی اور اجتماعی مفاخر کے اعلان و اشاعت میں شریک تھا۔

عربوں میں مفاخرت کے لیے مخصوص مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔ بڑے بڑے بازاروں میلوں اور حج جیسے دینی اجتماعات کے موقعوں پر بھی مفاخرت کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ ان مجالس میں، ذاتی خاندانی، اور قبیلہ کی خوبیوں اور کارناموں کا ذکر ہی نہیں کیا جاتا تھا، دوسرے افراد، خاندانوں اور قبائل کی برائیاں بھی بہ سبیل تقابل بیان کی جاتی تھیں، قصیدہ گوئی کے ساتھ ہجو گوئی ضروری تھی۔

مفاخرت دو قبیلوں کے درمیان ہی نہیں ہوتی تھی، ایک ہی قبیلہ کے دو خاندانوں اور ایک خاندان کے دو افراد میں بھی ہوتی تھی۔ اس مفاخرت کا مقصد اپنی خوبیوں کا تذکرہ ہی نہیں ہوتا تھا حریف کے مقابلہ میں اپنی بڑائی اور عظمت ثابت کرنا اور خاندان اور قبیلہ کی ریاست و سیادت کا مستحق جتانا ہوتا تھا اس کا مخصوص نام منافرہ تھا۔ مفاخرہ کی ایک مشہور مثال قبیلہ بنی عامر

دوسرا دارون علقمہ بن علاشہ اور عامر بن الطفیل کی مفاخرت ہے۔ علقمہ اور عامر قریبی عزیز ہیں دونوں اپنے قبیلہ کی ریاست کے امیدوار ہیں دونوں ایک دوسرے قبیلہ کے ایک بڑے آدمی کو حکم قرار دے کر اس سے فیصلہ چاہتے ہیں حکم دونوں کی تقریریں سنتا ہے جو اپنے محاسن اور دوسرے کے مساوی تذکرہ پر مشتمل ہیں مگر فیصلہ نہیں دیتا۔ اس کے پاس سے اٹھ کر وہ دوسرے کے پاس جاتے ہیں، وہ بھی ان کی تقریریں سن کر خاموش رہ جاتا ہے۔ اس طرح تیسرا حکم بھی فیصلہ دینے سے احتراز کرتا ہے، چوتھا حکم دونوں کی باتیں سنتا ہے اور دونوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے شدید اندیشہ ہے کہ اگر اپنی اصل رائے کہیں ظاہر کر دے تو مفاخرین کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی اور دونوں کے خاندانوں میں قتل وخون کا بازار گرم ہو جائے گا چنانچہ وہ یہ کہہ کر اس قضیہ کو ختم کر دیتا ہے کہ جاؤ تم دونوں برابر ہو۔ صحیح رائے ظاہر کرنے کے نتیجہ میں اس کو جس فساد عظیم کا یقین تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مدتوں بعد جب حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کی حقیقی رائے معلوم کرنی چاہی تو اس وقت بھی اس نے بتانے سے معذرت ظاہر کی[۱]

مفاخرت کا مرض کس قدر عام تھا اور اس کا انجام کتنا بھیانک تھا اس کا اندازہ ایک اور واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ بنو شیبان کا ایک آدمی قبیلہ طے کے ایک گھر پر مہمان ہوا۔ میزبان نے مہمان کی ضیافت میں ایک بکری ذبح کی گوشت پکا کر کھلایا، شراب پلائی، اور خود بھی پی۔ طائی نے نشہ میں شیبانی مہمان سے کہا: آؤ مفاخرہ کریں کہ طائی بڑا ہوتا ہے یا شیبانی، شیبانی نے کہا: چھوڑو جانے دو، اچھی گفتگو اور شراب نوشی مفاخرت سے بدرجہا بہتر ہے۔ طائی نے اصرار کیا اور کہنے لگا، خدا کی قسم، میرا ہاتھ سب سے زیادہ لانبا ہے۔ اور اپنا ہاتھ پھیلا کر دکھایا شیبانی کو غصہ آگیا، اس نے کہا کہ اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو پہنچے سے تمہارا بازو کاٹ ڈالوں گا مگر طائی نہیں مانا اور پھر وہی بات دہرائی شیبانی سے رہا نہ گیا اس نے تلوار کھینچ کر ایک وار کیا اور طائی وہیں ڈھیر ہو گیا[۲]

مفاخرت کے موضوعات تین طرح کے ہوتے تھے۔ ذاتی، خاندانی اور قبائلی۔ ذاتی مفاخرہ میں قوت وشجاعت، حریت، انتقام پر قدرت، فیاضی، عزت وشوکت وغیرہ گنائے جا سکتے ہیں، خاندانی

---

[۱] قصص العرب: محمد احمد جاد مولی وغیرہ، ۱۹۵۶ء جلد ۳ صفحات ۱۰۵-۱۱۰ [۲] بلوغ الارب ۲: ۲۹۹-

مفاخر میں عورتوں کی عفت، قید و بند سے حفاظت، طہارت نسب، بلندی حسب، تعداد افراد، قوت و غلبہ اور گروہی یا قبائلی مفاخر میں شاعری، خطابت، فتوحات اور افراد قبیلہ کی تعداد و قوت کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

فخر و افتخار کے جذبہ کا اظہار عربوں میں مختلف طریقوں سے ہوتا تھا۔ قرآن و حدیث میں جس اور متکبرانہ چال کی مذمت آئی ہے اس میں اسی جذبہ کی نمود تھی متکبرین کے طویل دامنوں اور زمین پر گھسٹتے ہوئے پائنچوں میں بھی یہی جذبہ کارفرما تھا۔ معاقرہ یعنی اونٹوں کو ذبح کر کے دوسروں کو کھلانے میں سابقت، اس کی دوسری مثال ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں ایک بار معاقرہ ہوا تھا تو آپ نے اسے سخت ناپسند کیا اور اس کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔[۱] انتساب الی غیر الاب کی تہ میں یہ جذبہ بھی کام کرتا تھا جس کی شدت سے ممانعت قرآن و سنت میں آئی ہے۔ عرب اس جذبہ میں بعض اوقات اس قدر اندھا ہو جاتا تھا کہ انتہائی کمینہ حرکتوں پر اتر آتا تھا اپنی بیوی کو کسی زور آور قوی اور شریف کے پاس اس لیے بھیجتا کہ اس کی اولاد اس کی جیسی صفات کی مالک ہوگی جسے وہ اپنی اولاد کہہ کر فخر کر سکے گا، اس کی بدترین مثال ہے۔

نام و نمود کا جذبہ اس قدر قوی تھا کہ زندگی ہی میں نہیں مر جانے کے بعد بھی اس کی کارفرمائی ختم نہ ہوتی تھی۔ عام رواج تھا کہ جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا تو اس کے گھر کی عورتیں اور اعزاء و اقارب محلہ اور پڑوس کی عورتیں سب مل کر نوحہ کرتیں۔ مرنے والے کی صفات، کارناموں، مفاخر و محاسن کا تذکرہ کرتیں مرثیہ پڑھتیں کپڑے پھاڑتیں، گریباں چاک کرتیں، بال نوچتیں، سینہ پیٹتیں اور سروں پر دھول اڑاتیں۔ یہ ماتم مرنے والے کا آخری حق خیال کیا جاتا تھا۔ نوحہ گیروں کی کثرت میت کے اعزاز و احترام کا معیار سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ نوحہ کرنے کے لیے کرایہ پر عورتیں بلائی جاتی تھیں یا تعاون باہمی کے اصول پر۔ کسی کے یہاں نوحہ میں شرکت اس توقع پر کی جاتی تھی کہ اس کا بدلہ وقت آنے پر ادا ہو جائے گا۔ نوحہ اور ماتم کا سلسلہ چند دن میں ختم نہیں ہو جاتا تھا مہینوں چلتا تھا۔ نوحہ کی

---

[۱] بلوغ الارب: ۳/ ۳۰-۳۱۔

مدت مرنے والے کی عظمت و عزت کے تناسب سے گھٹتی اور بڑھتی تھی جب کوئی بڑا رئیس مرتا تو ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر پورے قبیلے اور اطراف و جوانب میں اعلان کرتا اور نوحہ کرنے والیاں مہینوں اور کبھی سالوں تک نوحہ گری کے فرائض انجام دیتیں۔ خود مرنے والا موت سے پہلے وارثین کو اپنے شایان شان نوحہ کی بتاکید وصیت کر جاتا تھا[1]

۵ اخلاق اور عام زندگی (۵: ۱) عربوں کے جن محاسن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے انھیں ان کی اہمیت کے پیش نظر منتخب کیا گیا ہے۔ اسی طرح جن برائیوں کا تذکرہ آیا ہے انھیں اس لیے منتخب کیا گیا ہے کہ وہ عربوں میں بے حد عام تھیں اور ان کی برائی اور قباحت کا احساس یا تو ختم ہو چکا تھا یا بالکل کمزور ہو گیا تھا۔ ان کے علاوہ عربوں میں دوسری بھلائیاں اور برائیاں بھی تھیں جو دوسرے معاشروں میں پائی جاتی ہیں ہم نے ان کا ذکر اس لیے نہیں کیا ہے کہ وہ زیادہ اہم نہیں ہیں۔

بنیادی اخلاقی قدروں کے بارے میں ہمارا یقین ہے کہ وہ ہر معاشرہ میں پسندیدہ ہوتے ہیں، عربی اور عجمی، مغربی اور مشرقی کی کوئی تخصیص ان کے سلسلے میں صحیح نہیں ہے، ان کی جڑیں انسان کی اس فطرت میں ہوتی ہے جو زمانہ کے بدلنے سے بدلتی نہیں ہیں۔ یہ ساری انسانیت کی مشترک قدریں ہیں۔ مختلف معاشروں میں اختلاف اخلاق کی تفصیلات میں ہوتا ہے۔ کسی قدر کی جو اہمیت ایک معاشرے میں ہوتی ہے وہ دوسرے میں نہیں ہوتی۔ اس کے ظہور کی جو شکلیں اور اس کے نفاذ کے جو حدود و ضوابط ایک قوم میں ہوتے ہیں وہ دوسرے میں نہیں ہوتے۔ اسی طرح نظام اقدار میں کس قدر کو کتنا بلند یا پست مقام حاصل ہے دوسری قدروں سے اخلاقی اقدار کا کیا تعلق ہے، زندگی کی مجموعی اسکیم میں اخلاق کی کیا اہمیت ہے، اخلاقی قدروں کو عملاً برتنے میں کون سے محرکات و عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان معاملات میں ایک معاشرہ دوسرے معاشرہ سے مختلف ہوتا ہے اور ان ہی میں اختلاف کے سبب عربی یا ایرانی، مغربی یا مشرقی اخلاق کی تقسیم صحیح ہوتی ہے۔

اگرچہ اخلاق کی بنیادیں انسان کی فطرت میں موجود ہیں لیکن کسی قوم کا اخلاق تنہا فطری رجحانات سے

---

[1] بلوغ الارب ۳ - ۱۱ - ۱۲۔

تشکیل نہیں پاتا۔ اس کی تشکیل میں قوم کا طبعی اور اجتماعی ماحول، سیاسی حالات، معاشی تکنیک و تنظیم، دینی تصورات، علمی اور فلسفیانہ نظریات، جمالیاتی ذوق اور قدریں سبھی اپنا اپنا پارٹ ادا کرتی ہیں۔ ان مختلف عوامل میں سے کسی عامل کو کسی اخلاقی نظام کی تشکیل میں کتنا دخل ہوتا ہے، اس کے بارے میں کوئی عام اصول پیش نہیں کیا جا سکتا جو ہمیشہ اور ہر طرح کے حالات میں یکساں صحیح ثابت ہو۔ مختلف عوامل کی اہمیت، قوت اور اثر اندازی بدلتی رہتی ہے۔ کسی مخصوص معاشرہ کے اخلاقی اقدار کی تعمیر میں کن کن عوامل کا کتنا کتنا دخل ہے اس کا فیصلہ اس معاشرہ کے معروضی مطالعہ کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ معاشرتی تشکیل و تعمیر اور تاریخی تغیر و انقلاب کے موجودہ نظریات اور فلسفوں کی مشترکہ خرابی یہ ہے کہ وہ زندگی، معاشرہ اور اخلاق کی یک عاملی (توجیہ پیش کرتے ہیں جو لامحالہ یک طرفہ غیر متوازن اور ناقص ہوتی ہے اور مختلف معاشروں) کے معاملہ میں غلط ثابت ہوتی ہے۔

آئندہ صفحات میں عربی اخلاق اور عربوں کی عام زندگی کے ربط سے متعلق جو کچھ لکھا جائے گا اس میں ہم اسی نقطۂ نظر کو اختیار کریں گے۔ چونکہ اخلاقی بھلائیوں اور محاسن کی بنیادیں انسان کی فطرت میں موجود ہیں۔ انسان اگر اپنی قوت ارادی سے کام لے اور اسے سلیم الفطرت انسانوں کا ماحول بھی مل جائے تو اخلاقی فضائل کی ترقی صحیح راہوں پر ہوگی، اس لیے اگلے صفحات میں جب ہم عربی اخلاق پر عام زندگی کے اثرات کا مطالعہ کریں گے تو اس مطالعہ میں ہماری بیشتر کوشش یہ ہوگی کہ وہ عوامل نمایاں کئے جائیں جو عربوں کے اخلاقی تصورات میں مختلف کوتاہیوں اور غلطیوں کا باعث ہوئے اور ان میں مختلف برائیوں کے نشو و نما پانے کا سبب بنے، اور وہ طریقے واضح کئے جائیں جن کی راہ سے یہ خامیاں اور برائیاں پروان چڑھیں۔

(۲۱۵) **عربی نفسیات اور اخلاق** | عربی اخلاق کی تشکیل میں عربوں کے مخصوص نفسیاتی رجحانات کو بڑا دخل تھا عرب بالعموم جذباتی، مشتعل مزاج اور انتہا پسند ہوتا ہے۔ اس کی نظر وقتی مسائل میں محصور ہوتی ہے اور اس کی ساری فکر دور و حال کے تنگ دائرہ میں محدود، مستقبل کے امکانات اور دور کے عواقب اس کے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کی نگاہ زندگی کے ایک پہلو پر پڑتی ہے، پوری زندگی کی

فلاح وبہبود اس کے ذہن کی گرفت میں نہیں آتی۔ اس کے خیال میں خاندان کے محدود اور ادنیٰ مقاصد قبیلہ کے وسیع اور اعلیٰ مقاصد کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اسی طرح قبیلہ کے حقیر مفادات قوم و ملک کے عظیم مفادات پر ترجیح پاتے ہیں۔ یہ کوتاہ بینی عربی اجتماعیت کا سب سے گہرا روگ ہے

عربی نفسیات کے ان مخصوص رجحانات کا اثر عربوں کے فضائل پر بھی ہے اور ان کے عیوب پر بھی۔ جود و سخاوت میں مثلاً اس رجحان کا اثر اسراف و تبذیر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مہمان نوازی ہو یا احباب کی ضیافت ہو، یا بھوکوں کو کھانا کھلانا ہو عرب جائز مبالغہ اور ناجائز اسراف میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اسے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ اپنے مال کو کس طریقہ سے اہل حاجت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک ضرورت مند کو اس کی ضرورت سے زائد مل جاتا تھا مگر دوسرے بہت سے ضرورت مند محروم رہ جاتے تھے۔

عربی نفسیات کا اثر نیکیوں کے مقابلہ میں برائیوں پر زیادہ نمایاں ہے۔ عرب انتقام لینا فرض و واجب سمجھتے تھے۔ اگر اپنے حدود کے اندر ہو تو انتقام برا نہیں ہے لیکن عربوں کا انتقام ان کی جذباتی مغلوبیت، انتہا پسندی اور بربریت کی واضح مثال ہے۔ انتقام لینے میں وہ صرف قاتل کو قتل کر دینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے ان کا جوش اس وقت تک ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا جب تک کہ ایک کے بجائے دس کو قتل نہ کر لیں۔ پھر قتل ہی پر بس نہیں کرتے تھے، قاتل کا مثلہ کرتے تھے، اس کی ناک و کان کاٹ لیتے تھے۔ عورتیں انھیں گتھ کر ہار بناتی تھیں سینہ چاک کر کے کلیجہ نکال کر دانتوں سے چباتے تھے، حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر دیتے تھے منت مانتے تھے کہ جب دشمن کو قتل کر لیں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے[1]

وأد بنات دوسری مثال ہے۔ اس بری رسم کی ابتدا جس طریقہ سے ہوئی وہ بڑی عبرتناک ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرب کس طرح وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر ایک کمتر برائی کے ازالہ کے لیے اس سے سو اور ہزار گنا بری برائی کو گوارا کرتا تھا۔ اور کرتا رہتا تھا۔ ایک جزئی واقعہ کا اس پر ایسا اثر ہوتا تھا کہ زندگی اور معاشرہ کے عظیم تر مفادات کو مجرمانہ طریقہ سے پس پشت ڈال دیتا تھا۔ (باقی)

---

[1] سیرت النبی ج ۲: ۲۹۱